

قرآن اور آسمان

وَيَتَفَكَّرُونَ فِي خَلْقِ السَّمَوَاتِ

وَالْأَرْضِ

اور آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں

غور کرتے ہیں

قرآن اور آسمان

نُحَمِّدُهُ وَنُصَلِّي عَلَى رَسُولِهِ الْكَرِيمِ أَقْبَاهُ

جناب معلی القاب حضرت سید سید المفسرین تاج المحدثین مولانا قبلہ کاظمی شاہ صاحب دام مجدکم۔ آداب تسلیمات مسنونہ و تکریمات مقرونہ کے بعد عرض ہے کہ مسئلہ مندرجہ ذیل میں جناب عالی کی تحقیقات علمیہ اور تدقیقات محققانہ کی ضرورت ہے۔ امید ہے کہ اپنے قیمتی اوقات سے فرصت نکال کر آپ متوجہ مسئلہ متذکرہ ذیل ہوں گے۔ و علی اللہ تعالیٰ اجرکم۔

الاستفسار ما قولکم دام طولکم اندریں باب کہ

آسمان کی بابت ہم اہل اسلام کا عقیدہ ہے کہ وہ ایک مضبوط بنا ہے اور اس میں دروازے ہیں وہ ملائکہ کرام کا مستقر ہے اور اس میں خرق والتیام وغیرہ لوازمات جسمیہ کے قائل ہیں۔

قال تعالیٰ وَبَنَيْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعًا شِدَادًا ۝ (نباء: ۱۲)

وَقَالَ عَزَّ مِنْ قَائِلٍ اءَنْتُمْ اَشَدُّ خَلْقًا اِمِ السَّمَاءُ بَنَاهَا ۝ رَفَعَ سَمَكَهَا فَسَوَّاهَا ۝ (نازعات: ۲۷-۲۸)

وَفُتِحَتِ السَّمَاءُ فَكَانَتْ أَبْوَابًا ۝ (نباء: ۱۹)

استواء انفطار، انشقاق وغیرہ صفات سے ثابت ہے کہ عام اجسام کی صفات سے متصف اور حدوث و فنا میں ان کے ساتھ ملحق ہے۔

اسی طرح اجرام فلکیہ ستارہائے ثوابت و سیارہ کا افلاک میں مرکوز ہونا اور بعض کا ثابت و ساکن اور بعض کا متحرک ہونا معلوم ہوتا ہے۔ ”کہا یشیر الیہ قولہ تعالیٰ وَلَقَدْ جَعَلْنَا فِي السَّمَاءِ بُرُوجًا ۝ (حجر: ۱۶)

وَكُلٌّ فِي فَلَكٍ يَسْبَحُونَ ○ (الانبیاء: ۳۳)

فَلَا أُقْسِمُ بِالْخُنَّسِ الْجَوَّارِ الْكُنَّسِ ○ (تکویر: ۱۵: ۱۶)

برخلاف اس کے کہ حکمائے یونانیین آسمان کو جسم بسیط اور متحرک تو مانتے ہیں مگر اس میں خرق و التیام کو ممتنع بتاتے ہیں اور اس کی قدامت کے قائل اور فنا کے منکر ہیں اور اہل سائنس جدید وجود آسمان کے منکر اور خلا کے قائل ہیں۔ ان کا نظریہ ہے کہ سب ستارے نظام شمسی کے ماتحت سورج کے گرد گردش کر رہے ہیں اور اب راکٹوں اور میزائلوں کے ذریعے ثابت کرتے ہیں کہ ۷۰۶ لاکھ میل تک خلا میں سفر کرنے کے بعد بھی آسمان کا وجود نہیں بلکہ خلا ہی خلا ہے۔ حتیٰ کہ ان کا مصنوعی سیارہ چاند سے گزر کر سورج کے گرد گھوم رہا ہے۔

اس سے وہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ نظریہ اہل اسلام و حکماء اہل رصد متقدمین برصواب نہیں۔ براہ کرم اس بارے میں مفصل روشنی ڈال کر ماجرہ و مشکور ہوں۔
کتبہ، الفقیر حافظ محمد عفی عنہ

الجواب: مکرمی و علیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کے استفسار کا مفصل جواب حسب ذیل ہے۔

تخلیق انسانی کا وہ مقصد عظیم جس کی تکمیل کے لئے فطرت انسانی عقل سلیم کی روشنی میں بے تاب نظر آتی ہے صرف معرفت الہی ہے۔ قال اللہ تعالیٰ ”وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ“ خازن میں ہے ”وقیل معناه الا لیعرفون وهو احسن“ (ص ۲۰۶ ج ۴) اسی لئے ارشاد فرمایا ”أَلَا بِذِكْرِ اللَّهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ“ اور یہی وجہ ہے کہ ہر فرد انسان کسی نہ کسی رنگ میں ہستی باری تعالیٰ کو تسلیم کرتا ہے۔ یہ علیحدہ بات ہے کہ اس کا تسلیم کرنا عقل سلیم کی روشنی میں شرعاً صحیح ہے یا نہیں؟ لیکن اس میں شک نہیں کہ اصنام و احجار، بحار و اشجار، خاک و نار، شمس و قمر، ماء و مطر کو الہ ماننے والے زبان حال سے پکار رہے ہیں کہ ہم بھی الہ حق کی تلاش

میں حیران و سرگردان ہیں۔ یہ ہماری بد نصیبی اور محروم القسمتی ہے کہ ہم نے غیر الہ کو الہ سمجھا۔ عابد کو معبود اور ساجد کو مسجود جانا لیکن ان مظاہر کائنات کی پرستش ہماری فطرت کے تقاضے کا پتہ دے رہی ہے کہ ہم بھی ہستی معبود کے مقرر ہیں۔ حتیٰ کہ دہریہ نے بھی دہر کو موثر حقیقی مان کر تسلیم کر لیا کہ موثر کے بغیر اثر ناممکن ہے۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے

دہری نے کیا دہر سے تجھ کو تعبیر

انکار کسی سے بن نہ آیا تیرا

اور یہ امر بھی ظاہر ہے کہ معرفت الہیہ ہی ایسی چیز ہے جس کے دامن سے سعادت دارین فلاح کو نین راحت ابدی اور نجات حقیقی وابستہ ہیں جس کے لوازمات سے تخلی عن الرذائل اور تجلی بالفضائل ہے۔ لہذا ضروری ہوا کہ اسلام جو اللہ تعالیٰ کا بھیجا ہوا دین ہے اور قرآن جو اسی خالق حقیقی کا کلام بلاغت نظام ہے وہ عامۃ الناس کے لئے وضاحت کے ساتھ انہی مسائل کو بیان کرتا ہے جن سے اس کے مقصد تخلیق اور اس کے لوازمات اور مناسبات کا تعلق ہے۔ اگر عوام کے حق میں آپ دین کے ہر گوشے اور قرآن کے ہر بیان پر گہری نظر ڈالیں گے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ جن مسائل و مضامین کا تعلق اس مقصد عظیم سے نہیں یا جن چیزوں میں الجھ کر اس کے اپنے مقصود حقیقی کے دور ہو جانے کا اندیشہ ہو قرآن اور اسلام نے ان کو ایسے مضامین کے ساتھ مخاطب نہیں فرمایا نہ انہیں بنیادی حیثیت دی۔ البتہ خواص کے لئے ایسے اشارات رکھ دیئے جن کی روشنی میں ان کے لئے وہ تمام علوم و حکم اور مسائل و مضامین واضح اور روشن ہیں جو عوام کے حق میں بجائے مفید ہونے کے مضر ہو سکتے ہیں۔ زمین و آسمان و دیگر مصنوعات کائنات میں اللہ تعالیٰ نے جس تفکر کی دعوت دی ہے وہ صرف ایسے طریقے سے ہے جس کا تعلق معرفت الہیہ سے ہو۔ اس کے علاوہ تفکر کے دوسرے طریقے جو معرفت الہی کا ذریعہ نہیں بلکہ بسا اوقات گمراہی کا سبب ہو سکتے ہیں قرآن

مقالات کاظمی 409 حصہ اول
نے پیش نہیں کئے۔ کسی چیز میں تین طرح تفکر ہو سکتا ہے۔ (۱) یہ چیز اصل حقیقت میں

کیا ہے؟ (۲) اپنے اوصاف میں کیسی ہے؟ (۳) اس کا فائدہ کیا ہے؟
پہلی صورت میں کم علم عوام کے لئے گمراہی کا سبب بن سکتی ہے۔ اس لئے اس
طرز تفکر سے عوام کو بچایا گیا۔ ارشاد ہوتا ہے ”وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الرُّوحِ قُلِ
الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي وَمَا أُوتِيتُمْ مِنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا“ (بنی اسرائیل: ۸۵)
یعنی معرفت روح کے بارے میں ”الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي“ سے آگے تفکر نہ کرو کیونکہ
تم اتنا علم نہیں رکھتے۔ دوسری صورت کا تعلق جس جگہ معرفت الہیہ سے ظاہر و باہر ہو
وہاں وہ انداز فکر شرعاً مطلوب و محمود ہے۔

قال الله تعالى ”أَفَلَا يَنْظُرُونَ إِلَى الْإِبِلِ كَيْفَ خُلِقَتْ ۖ وَإِلَى السَّمَاءِ
كَيْفَ رُفِعَتْ ۖ وَإِلَى الْجِبَالِ كَيْفَ نُصِبَتْ ۖ وَإِلَى الْأَرْضِ كَيْفَ
سُطِحَتْ“ (غاشیہ ۱۷-۲۰)

تیسری صورت کا بھی یہی حال ہے کہ اگر وہ طریقہ تفکر معرفت ایزدی کا ذریعہ ہو تو
عند اللہ مطلوب و مرغوب ہے ورنہ مذموم و مبغوض۔ قرآن کریم میں ہے ”يَسْأَلُونَكَ
عَنِ الْآهِلَةِ قُلْ هِيَ مَوَاقِيتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ“ (بقرہ: ۱۸۹)

چاند کے گھٹنے بڑھنے کا فائدہ اوقات، عبادات کا مفہوم ہونا ہے۔ اگر اس انداز
سے اس میں تفکر واقع ہو تو بلا شک مطلوب و محمود ہے۔ مصنوعات عالم میں قرآن کریم
نے جو دعوت تفکر دی ہے اس کی ایک جھلک ملاحظہ ہو ارشاد ہوتا ہے ”إِنَّ فِي خَلْقِ
السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِي تَجْرِي فِي الْبَحْرِ
بِمَا يَنْفَعُ النَّاسَ وَمَا أَنْزَلَ اللَّهُ مِنَ السَّمَاءِ مِنْ مَّاءٍ فَأَحْيَا بِهِ الْأَرْضَ بَعْدَ
مَوْتِهَا وَبَثَّ فِيهَا مِنْ كُلِّ دَابَّةٍ وَتَصْرِيفِ الرِّيَّاحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَيْنَ
السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ لَآيَاتٍ لِقَوْمٍ يَعْقِلُونَ“ (بقرہ: ۱۶۴)

نیز ارشاد فرمایا ”وَيَتَفَكَّرُونَ فِي خَلْقِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ رَبَّنَا مَا خُلِقَتْ

ان آیات سے معلوم ہوا کہ قرآن نے ہمیں اس حیثیت سے تفکر کی دعوت دی ہے کہ اس تفکر سے ہمیں معرفت الہیہ کا فائدہ حاصل ہو اور ہم سمجھیں کہ ہر شے کا حقیقی فائدہ یہ ہے کہ وہ وسیلہ معرفت خداوندی ہو۔ اس کے برخلاف جاہلیت کا نظریہ رکھنے والے مادہ پرست جو اندازِ فکر اختیار کرتے ہیں۔ وہ عموماً پہلی قسم کا ہوتا ہے اور وہ تفکر فی الماہیت ہے۔ یعنی اس بات کو سوچنا کہ اس چیز کی حقیقت کیا ہے؟ اس اندازِ فکر سے تو یہ ممکن ہے کہ مصنوعاتِ عالم کے بعض دنیوی اور عارضی فوائد حاصل ہو جائیں لیکن یہ ناممکن ہے کہ غور و فکر کا یہ طریقہ ان کے لئے معرفت الہی کا ذریعہ اور سعادتِ دنیوی اور نجاتِ اخروی کا وسیلہ ہو سکے۔ مختصر یہ کہ اسلام نے ایک طرف تو ہمیں گمراہ کن اندازِ فکر سے بچایا اور دوسری طرف ہمارے لئے ان مسائل کی وضاحت پر اکتفاء کیا جن کا تعلق معرفت خداوندی، سعادتِ ابدی اور نجاتِ اخروی سے تھا۔ چاند، سورج، ستاروں اور آسمانوں کے مسائل بھی اسی قسم کے ہیں۔ قرآن مجید نے ان کے موجود اور محسوس و مشاہدہ حالات و کیفیات کو دلائلِ قدرت و براہینِ معرفت سے شمار کیا اور صرف اسی حیثیت سے ان میں تفکر کی دعوت دی ہے۔ ان کی حقیقت و ماہیت میں سوچ بچار اور ان کے احوال و تغیرات کے اسباب و علل کی چھان بین چونکہ انسان کے مقصدِ تخلیق سے بہت دور تھی اور اس کے عارضی فوائد کے مقابلے میں گمراہی کے خطرات بہت زیادہ اور شدید تھے۔ اس لئے قرآن مجید نے عامۃ الناس کے لئے ان کی وضاحت سے پہلو تہی کی اور ان کے بیان میں وہی انداز رکھا جو انسانوں کے لئے ان کے مقصدِ تخلیق کے اعتبار سے مفید ثابت ہو۔ جہاں تک آسمانوں کے وجود کا تعلق ہے۔ قرآن مجید کی روشنی میں ان کا تسلیم کرنا ضروریاتِ دین سے ہے۔ جو شخص آسمانوں کے مطلق وجود کا انکار کرے گا وہ مومن نہیں رہ سکتا۔ رہا یہ امر کہ آسمانوں کے وجود کی حقیقت و ماہیت کیا ہے؟ وہ اجسامِ ثقیلہ ہیں یا خفیفہ ان کے اجزاء سخت ہیں

یا نرم؟ وہ لطیف ہیں یا کثیف؟ نیز یہ کہ ستارے ان میں مرکوز ہیں یا غیر مرکوز؟ ان امور کے متعلق قرآن نے کوئی قطعی حکم بیان نہیں کیا نہ ان مسائل کو اصولی و بنیادی حیثیت دی۔ جن آیات میں خلق سموات کا ذکر ہے۔ ان کا مفہوم صرف اس قدر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو موجود کیا ان کا وجود کیا ہے؟ یہ امر مسکوت عنہ ہے۔ آپ نے جن آیات قرآنیہ سے یہ ثابت کیا ہے کہ ”وہ عام اجسام کی صفات سے متصف اور حدوث و فنا میں ان کے ساتھ ملحق ہیں“ اور اس کے بعد آپ نے چند آیات تحریر فرمائیں جن کے پیش نظر ارقام فرمایا کہ ”وہ اجرام فلکیہ ستارہائے ثوابت و سیارہ کا افلاک میں مرکوز ہونا اور بعض کا ثابت و ساکن اور بعض کا متحرک ہونا معلوم ہوتا ہے“ وہ آیات آپ کے تحریر فرمودہ نظریات سے بالکل ساکت ہیں۔ آسمان یقیناً حادث ہے مگر ان کے متعلق یہ نظریہ کہ وہ عام اجسام (کثیفہ محسوسہ) کی صفات سے متصف ہیں نیز یہ کہ ستارہائے ثوابت و سیارہ افلاک میں مرکوز ہیں بعض ساکن اور بعض متحرک ہیں۔ علماء ہیئت کا نظریہ ہے جمہور محققین اسلام اس کو صحیح نہیں مانتے۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ علماء ہیئت کا مذہب یہ ہے کہ

(۱) آسمانوں میں خرق و التیام محال ہے۔ (۲) ہر ستارہ الگ آسمان میں ہے۔
(۳) ہر ستارہ اپنے آسمان میں مرکوز ہے۔ (۴) آسمان اجرام صلبہ یعنی بہت سخت قسم کے اجسام ہیں اور جمہور محققین اسلام کا مذہب اس کے خلاف یہ ہے کہ

(۱) آسمانوں میں خرق و التیام نہ صرف ممکن بلکہ واقع ہے۔ (۲) سب ستارے ایک آسمان میں گھومتے ہیں۔ (۳) کوئی ستارہ کسی آسمان میں مرکوز نہیں بلکہ ستارے آسمان میں جاری ہیں۔ (۴) آسمان کا وجود یقینی ہے لیکن اس کا جرم سخت نہیں بلکہ وہ پانی اور ہوا کی طرح لطیف ہے یا مجوف ہے اور اس کا جوف ہوا سے پر ہے یا مجوف ہے مگر ہوا وغیرہ سے خالی ہے۔ اس میں ستارے اس طرح چلتے ہیں جیسے پانی میں مچھلی یا یہ کہ آسمان میں ستاروں کے جاری ہونے کی جگہ ایسی لطیف ہے کہ اس میں ستاروں

کا چلنا آسان ہے یعنی آسمان کی وہ سطح جس میں ستارے چلتے ہیں لطیف ہے اور باقی حصہ منجمد ہے۔ امام ضحاک نے کہا کہ فلک کوئی جسم نہیں بلکہ وہ ستاروں کا مدار ہے اور اکثر کا قول ہے کہ افلاک اجسام ہیں جن پر ستارے گھومتے ہیں۔ ان کے اجسام کی کیفیت میں بھی اختلاف ہے۔ بعض نے کہا کہ فلک ایک موج مکفوف ہے جس میں چاند سورج اور ستارے جاری ہوتے ہیں۔ امام کلبی نے کہا کہ وہ ماء مجموع ہے جس میں ستارے تیرتے ہیں۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ سباح (تیراکی) پانی کے بغیر ناممکن ہے۔ ہم ان کو جواب دیں گے کہ سباح کا اطلاق پانی کے بغیر جائز ہے۔ دیکھئے تیز رفتار گھوڑے کو عربی محاورات میں سانح (تیراک) کہا جاتا ہے۔ ان تمام اقوال اور نظریات کے ثبوت میں حسب ذیل عبارات نقل کرتا ہوں۔ ملاحظہ فرمائیں۔

(۱) وكل تنوينه عوض عن المضاف اليه من الشمس والقمر
والنجوم (جلالین)

(۲) في فلك واحد من الافلاك وهى السماء الدنيا بدليل قوله
تعالى ”اِنَّا زَيَّنَّا السَّمَاءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيحٍ- يَسْبَحُونَ كَمَا يَسْبَحُ السَّمَكُ فِي
الْمَاءِ.“ (تفسیر مظہری ص ۸۵ پ ۲۳)

(۳) والسبب في ذلك عند الهيئة انها مرتكزة في افلاك جزئية۔

(تفسیر مظہری پ ۳۰ ص ۲۰۸)

اس سے آگے چند سطور کے بعد فرماتے ہیں ”واما عندنا فالکواکب کل
منها فی فلك یسبحون علی ما اراد الله سبحانه۔ (پ ۳۰ ص ۲۰۸)

(۴) (المسئلة الثالثة) الفلك في كلام العرب كل شيء دائر وجمعه
افلاك واختلف العقلاء فيه فقال بعضهم الفلك ليس بجسم وانما هو
مدار هذه النجوم وهو قول الضحاک وقال الاكثرون بل هي اجسام
تدور النجوم عليها وهذا اقرب الى ظاهر القرآن ثم اختلفوا في

کیفیتہ فقال بعضهم الفلك موج مكفوف تجرى الشمس والقمر والنجوم فيه وقال الكلبى ماء مجبوع تجرى فيه الكواكب واحتج بان السباحة لا تكون الا فى الماء قلنا لا نسلم فانه يقال فى الفرس الذى يمد يديه فى الجرى ساجح وقال جمهور الفلاسفة واصحاب الهيئة انها اجرام صلبة لا ثقيلة ولا خفيفة غير قابلة للخرق والالتيام والنمو والذبول فاما الكلام على الفلاسفة فهو مذكور فى الكتب اللائقة به والحق انه لا سبيل الى معرفة صفات السهوت الا بالخبر۔

(تفسير كبير جلد ۶ ص ۱۴۹)

(۵) وهذا المجرى فى السماء ولا مانع عندنا ان يجرى الكوكب بنفسه فى جوف السماء وهى ساكنة لا تدور اصلاً وذلك بان يكون فيها تجويف مملوء هواء او جسماً آخر لطيفاً مثله يجرى الكوكب فيه جريان السبكة فى الماء او البندقة فى الامنبوب المستديرة مثلاً او تجويف خال من سائر ما يشغله من الاجسام يجرى الكوكب فيه او بان تكون السماء باسرها لطيفة او ما هو مجرى الكوكب منها لطيفاً فيشق الكوكب ما يحاذيه وتجرى كما تجرى الشبكة فى البحر وفى ساقية منه وقد انجمد سائره وانقطاع كرة الهواء عند كرة النار المباشرة لمقعر فلك القمر عند الفلاسفة وانحصار الاجسام اللطيفة بالعناصر الثلاثة وصلابة جرم السماء وتساوى اجزاءها واستحالة الخرق والالتيام عليها واستحالة وجود الخلاء لم يتم دليل على شئ منه واقوى ما يذكر فى ذلك شبهات او هن من بيت العنكبوت وانه ورب السماء لا وهن البيوت۔ انتهى۔ (روح المعاني پ ۲۳ ص ۲۲)

عبارت منقولہ سے حسب ذیل فوائد حاصل ہوئے

(۱) محققین اسلام کے نزدیک آسمانوں کا وجود ایسا لطیف ہے جس میں تمام

ستارے اس طرح جاری ہیں جیسے پانی میں مچھلی جا رہی ہوتی ہے۔

(۲) آسمانوں میں خلق والتیام واقع ہے۔

(۳) ستارے آسمانوں میں مرکوز نہیں۔

(۴) ہر ستارے کیلئے الگ الگ آسمان نہیں بلکہ تمام ستارے ایک ہی آسمان میں ہیں۔

(۵) بعض محققین جیسے امام ضحاک رحمۃ اللہ علیہ ستاروں کے جاری ہونے کی جگہ

(فلک) کو جسم نہیں مانتے۔

(۶) آسمانوں کے جرم کی سختی و صلابت فلاسفہ کا مذہب ہے، اہل اسلام کا نہیں۔

(۷) فلک اور آسمان کی ماہیت و کیفیت کے بارے میں جلیل القدر ائمہ تفسیر اور

محققین کا اختلاف اقوال اس امر کی روشن دلیل ہے کہ قرآن کریم نے عامۃ الناس

کے لئے اس مسئلے کی وضاحت سے پہلو تہی کر کے تخلیق انسانی کے مقصد عظیم کی تکمیل

کے لئے اسے کوئی اہمیت نہیں دی اور وہ کوئی ایسا بنیادی اور اصولی مسئلہ نہیں جس میں

اختلاف کا امکان نہ ہو۔ ان فوائد کی روشنی میں یہ حقیقت بالکل ظاہر ہے کہ اگر کسی

وقت کوئی شخص چاند، سورج سے آگے بھی چلا جائے اور اسے آسمانوں کے وجود کا

احساس و ادراک نہ ہو تو کچھ بعید نہیں۔ اس لئے کہ اشیاء لطیفہ کثیف چیزوں کی طرح

محسوس و مدرک نہیں ہو سکتیں۔ جس کی دلیل سائنسدانوں کا یہ نظریہ ہے کہ سورج اور

زمین کے درمیان ایک رقیق مادہ (ایتھر) ہر وقت متحرک ہے جو تمام اجسام کا مبداء و

اصل مادہ ہے لیکن حواس خمسہ میں سے کوئی حس آج تک اس کا ادراک نہ کر سکا۔ محض

اس لئے کہ وہ نہایت رقیق و لطیف ہے۔ لہذا اگر آسمان بھی اسی رقت و لطافت کی وجہ

سے محسوس نہ ہوں تو اس میں کون سا تعجب ہے؟ بالخصوص اس صورت میں جبکہ وہ مستقر

ملائکہ ہے اور ملائکہ لطیف ہیں اس لئے ان کا مستقر بھی لطیف ہونا چاہئے۔

ہاں وہ فلاسفہ جن کے نزدیک آسمان کا جرم نہایت سخت اور کثیف اور اس میں

خرق والتیام بھی نہیں ہو سکتا وہ اپنے اصول کے مطابق جواب نہ دے سکیں گے۔ میں پہلے عرض کر چکا ہوں کہ اسلامی نظریات کی روشنی میں چونکہ یہ مسئلہ اصولی اور بنیادی حیثیت نہیں رکھتا اس لئے اگر کسی مسلمان متکلم نے بھی یہاں فلاسفہ کے بعض اقوال کو تسلیم کر لیا ہو تو اس سے ہمارے بیان پر زد نہیں پڑتی۔ زیادہ سے زیادہ اسی کے مسلک پر اعتراض ہو گا جس نے فلاسفہ کے قول کی تائید کی ہے۔ اسی طرح وہ بعض روایات جو ضعیف ہیں یا ضعیف نہیں مگر اخبار و احاد ہیں اور ان سے بظاہر اجسام فلکیہ کی کثافت اور ثقل و صلابت مفہوم ہوتی ہے ہمیں مضرت نہیں کیونکہ ایسی روایات پر کسی اصولی اور بنیادی مسئلے کا ابتنا نہیں ہو سکتا۔ ہماری بحث صرف اصولی اور بنیادی مسائل میں ہے۔ ضعیف ظنی باتیں ہمارے پیش نظر نہیں۔ یہ تقریر اس تقدیر پر ہے کہ سائنس دانوں کا آسمانوں سے گزر جانا اور چاند سورج سے آگے بڑھ جانا دلیل سے ثابت ہو جائے ابھی تک تو کسی ادنیٰ حیوان کا بھی وہاں تک پہنچنا ثابت نہیں ہوا۔ چہ جائیکہ انسان کی رسائی۔

چند ہزار فٹ سے زیادہ بلندی پر آج تک کوئی نہ جاسکا تو ۶ لاکھ میل کی بلندی پر وازی کسی کے حق میں کیونکر متصور ہو سکتی ہے؟

رہا یہ امر کہ راکٹ اتنی مسافت طے کر گیا تو اگر اسے صحیح مان بھی لیا جائے تو آسمان کے جسم لطیف سے اس کا گزر جانا اس طرح ممکن ہو گا جیسے وہ ایتھر سے گزر گیا اور اگر اصل حقیقت پر غور کیا جائے تو راکٹ کے متعلق بھی یہ دعویٰ بلا دلیل ہے کیونکہ اس کی کیفیت رفتار معلوم نہیں اس بات پر کون سی دلیل قائم ہے کہ وہ بخط مستقیم حرکت کر رہا ہے جس کی بنا پر یہ اندازہ صحیح مانا جائے۔ ہو سکتا ہے کہ اس کی حرکت ایسی نوعیت کی ہو جس کی بنا پر یہ اندازہ غلط قرار پائے۔

میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ جن لوگوں نے راکٹ چھوڑے ہیں وہ یہ دعویٰ یقین کے ساتھ نہیں کرتے بلکہ محض اندازہ لگا کر کہتے ہیں کہ ہمارا راکٹ اس رفتار کے حساب سے اتنے

مقالات کاظمی

عرصہ میں اتنی بلندی پر پہنچ گیا۔ اس انکل پچواندازے کے متعلق قرآن کریم نے پہلے ہی فرمادیا، ”إِنْ يَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَإِنْ هُمْ إِلَّا يَخْرُصُونَ۔“ (یونس: ۶۶)

ایسی صورت میں اگر ہم اس دعویٰ کو یقینی قرار دیں تو وہی مثال صادق آئے گی کہ مدعی سست گواہ چست۔ اب ان آیات پر کلام کرتا ہوں جن کے پیش نظر بیان سابق میں شبہات پیدا ہو سکتے ہیں۔ فاقول وبالله التوفیق۔

(۱) ”وَجَعَلْنَا السَّمَاءَ سَقْفًا مَحْفُوظًا۔“ (انبیاء: ۳۲)

اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم نے آسمان کو گرنے سے محفوظ کر دیا۔ یہ نہیں کہ مطلقاً وہاں سے کسی کا گزرنا ہی محال ہے۔

(۲) ”وَحَفِظْنَاهَا مِنْ كُلِّ شَيْطَانٍ رَجِيمٍ۔“ (الحجر: ۱۷)

اس سے بھی یہ مراد نہیں کہ علی الاطلاق وہاں کسی کی رسائی نہیں ہو سکتی بلکہ یہ بتانا مقصود ہے کہ آسمانوں کو ہم نے شیاطین کے استراق سمع سے محفوظ کر دیا۔

(۳) ”وَبَنَيْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعًا شِدَادًا۔“ (النباء: ۱۲)

اس کے معنی یہ نہیں کہ سموات سبع نہایت محکم پائیدار اور ایسے قوی الخلق ہیں کہ مرور زمانہ ان میں اثر نہیں کرتا۔ وہ اپنی پائیدار پیدائش کی وجہ سے فطور و فروج کے آثار و تغیرات سے محفوظ و مصون ہیں۔ دیکھئے تفسیر کبیر میں اسی آیت کے تحت ہے ”شداد“ جمع ”شدیدہ“ یعنی محکمہ قرینۃ الخلق ”لا یؤثر فیہا مرور الزمان لا فطور فیہا ولا فروج۔“ (تفسیر کبیر ص ۴۳۱ جلد ۸)

(۴) ”ءَأَنْتُمْ أَشَدُّ خَلْقًا أَمِ السَّمَاءُ بَنَاهَا۔ رَفَعَ سَمُكَهَا فَسَوَّاهَا“

(نزع: ۲۷، ۲۸) اس آیت کے بھی یہ معنی نہیں کہ آسمان کا جسم سخت ہے بلکہ آیت کریمہ کا مفہوم ہے کہ تمہارا بنانا مشکل ہے یا آسمان کا۔ اللہ تعالیٰ نے اسے بنایا اس کے ابھار کو اونچا کیا پھر اسے برابر کیا۔ لطیف چیز کا ابھار بھی لطیف ہوتا ہے۔

(۵) ”وَفُتِحَتِ السَّمَاءُ فَكَانَتْ أَبْوَابًا۔“ (النباء: ۱۹) اصول یہ ہے کہ

موصوف جیسا ہوگا اس کی صفات اسی نوعیت کی ہوں گی۔ جب ”وَكُلُّ فِي فَلَكٍ يَسْبَحُون“ (یس: ۴۰) سے امر ثابت ہو گیا کہ آسمان ایسی لطیف شے ہے جس میں ستارے سباحۂ (تیراکی) کرتے ہیں تو اس کا بست و کشاد اور اس کے ابواب بھی اس کے حسب حال اور شایان شان ہوں گے۔ دیکھئے ”الَّذِينَ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوَى“ (طہ: ۵) میں وہی استویٰ مراد ہے جو اللہ تعالیٰ کی شان کے لائق ہے یعنی جو اس کی جسمانیست کو مستلزم نہ ہو اسی طرح آسمانوں کا کھلنا بند ہونا اس کے دروازے علیٰ ہذا القیاس اس کا انفطار و انشقاق سب اس کی لطافت کے موافق ہوگا۔ اس طرح اس کے بروج اور اس میں مختلف الحال ستاروں کا پایا جانا یہ سب کچھ ایسے ہی لطیف اوصاف ہوں گے جیسے موصوف لطیف ہے۔ قرآن مجید میں ”يَوْمًا ثَقِيلًا“۔ قَوْلًا ثَقِيلًا“ اور اسی قسم کے بکثرت الفاظ وارد ہیں لیکن آج تک کسی نے ثقل سے مادی ثقل مراد نہیں لیا کیونکہ ”ثَقِيلًا“ یوم اور قول کی صفت ہے جب موصوف جسمانی اور مادی نہیں تو صفت کس طرح جسمانی اور مادی ہوگی اسی طرح افلاک و سموات کے لوازم ملزوم کے حسب حال اور اس کے شان کے لائق و مناسب ہی ہو سکتے ہیں اس کے خلاف کیونکر مراد لئے جاویں گے۔ نیز قرآن مجید کی آیت ”ثُمَّ اسْتَوَىٰ اِلَى السَّمَاءِ وَهِيَ دُخَانٌ“ (نجم السجدة: ۱۱) سے بھی آسمان کے جسم لطیف ہونے کی تائید ہوتی ہے۔

(۶) ”يَا مَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْإِنسِ إِنِ اسْتَطَعْتُمْ أَنْ تَنْفُذُوا مِنْ أَقْطَارِ السَّمُوتِ وَالْأَرْضِ فَانْفُذُوا لَا تَنْفُذُونَ إِلَّا بِسُلْطَنِ“ (الرحمن: ۳۳) اس آیت سے بظاہر یہ شبہ پیدا ہوتا ہے کہ جب آسمانوں اور زمینوں سے نکل بھاگنا ممکن نہیں تو ظاہر ہے کہ آسمانوں سے گزرنا بھی محال ہوگا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں اللہ تعالیٰ کے قبضہ قدرت سے نکل جانے اور اس کے احاطہ اختیار سے باہر ہو جانے کی نفی مراد ہے اور اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ اگر تم

مقالات کاظمی 418 حصہ اول
 زمین و آسمان سے نکل بھی جاؤ تب بھی اللہ تعالیٰ کے سلطان یعنی اس کی قدرت کاملہ
 اور قدرت غالبہ سے باہر نہیں جاسکتے۔ یا یہ کہ قیامت کے دن اس کی قدرت کاملہ کے
 بغیر اس کے عذاب سے نہیں چھوٹ سکتے۔ آیہ کریمہ کا سیاق و سباق ان معنی کی روشن
 دلیل ہے۔ (ملاحظہ ہو تفسیر کبیر ص ۳۰، ۳۱ جلد ۸۔ تفسیر مظہری جلد ۱۰)

آخر میں ایک چھوٹے شبہ کا جواب عرض کر دوں۔ اگر کسی وقت یہ ثابت ہو جائے
 کہ چاند ستاروں وغیرہ میں آبادی ہے تو رسول اللہ ﷺ کی تعلیم انہیں کس طرح پہنچے
 گی پھر وہاں نہ قرآن ہے نہ کعبہ ہے نہ چاند ہے کیونکہ وہ خود چاند میں رہتے ہیں تو وہ
 روزہ، نماز وغیرہ کس طرح ادا کریں گے۔ اگر وہاں کوئی نبی مانا جائے تو حضور ﷺ
 خاتم النبیین نہیں رہتے۔ اس کا مختصر جواب یہ ہے کہ یہ ضروری نہیں کہ باوجود اختلاف
 احوال کے تمام مکلفین کے لئے احکام شرعیہ یکساں ہوں۔ علاوہ ازیں یہ کہ یہ
 اعتراض بھی فلاسفہ کے مذہب پر ہوگا اسلام اس امر کو محال نہیں جانتا کہ ایک وجود بیک
 وقت متعدد مقامات پر پایا جائے۔ نہ اسلامی اصول کی رو سے یہ امر ضروری ہے کہ
 مصنوعات عالم کی ہر چیز سب کے علم میں ہو۔ ممکن ہے کہ ایک چیز موجود ہو اور کسی مانع
 کی وجہ سے ہم اس کا مشاہدہ نہ کر سکیں۔ سائنس دان اور علماء ہیئت نے ایسے بہت
 سے ستاروں کو معلوم کر لیا جن کو پہلے فلاسفہ نہ جانتے تھے۔ اس لئے ہو سکتا ہے کہ چاند
 میں رہنے والوں کے لئے اللہ تعالیٰ نے کوئی اور ستارہ بنایا ہو جو ان کے لئے چاند کا کام
 دیتا ہو اور ہمیں ابھی تک اس کا علم نہ ہوا ہو اور حضور ﷺ کے علاوہ کسی نبی کو ان کے
 لئے تسلیم کرنے کی اجازت نہیں۔ جب سائنس کی روشنی میں یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ چکی
 ہے کہ فرد واحد آئن واحد میں کروڑوں مقامات پر موجود ہو سکتا ہے اور ہمارے لئے تو
 حضرت عبداللہ بن عباس کا وہ اثر کافی ہے کہ جس میں زمین کے ہر طبقے میں آدم علیہ السلام کی
 طرح آدم اور نوح علیہ السلام کی طرح نوح اور حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی طرح محمد
 ﷺ کا وجود ثابت ہے۔ بعض محدثین نے اس حدیث میں لَیْسَ کَمِثْلِهِ شَیْءٌ کی

مقالات کاظمی 419 حصہ اول
طرح حرف تشبیہ کو زائد قرار دیا ہے جس کا مقتضی یہ ہوا کہ تمام طبقات زمین میں یہ سب
انبیاء مذکورین علیہم السلام بیک وقت قرار پائے جاتے ہیں اسی طرح اگر حضور ﷺ کا وجود
مبارک اور ایسے ہی کعبہ شریفہ چاند میں بھی پائے جاتے ہیں اور وہاں کے سب
باشندے حضور ﷺ ہی کی شریعت کے مکلف ہوں تو اس میں کونسا استحالہ ہے۔